تیغ الہ آبادی

زنجیریں

سنگم پبلشنگ ہاؤس الہ آباد

عنوان

گفتمش سلسلۂ زلف بتاں دانی چیست

گفت حافظ گلۂ از شب یلدا می کرد
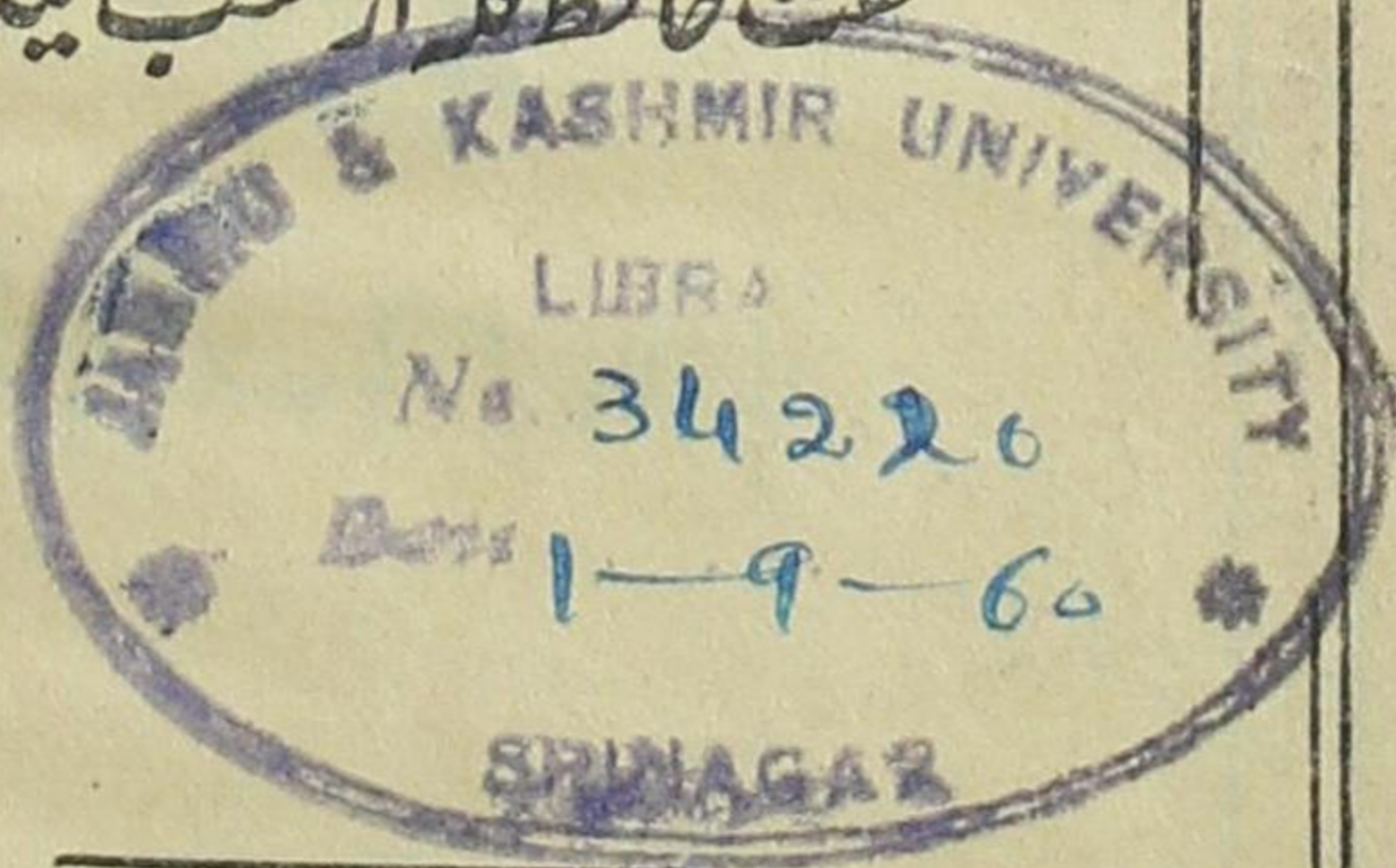
اسرار کریمی پریس الہ آباد

مد فرما تیغ کی اے دُختر گنگ و جمن
تیغ جو اس وقت ہے پیغمبر شعر و سُخن

فراق گورکھپوری

پیش لفظ

اُردو شاعری کی ایک مرکزی روائت یہ ہی ہے
کہ جو الفاظ اور فقرے ہم آئے دن، کسی کوشش،
تکلّف یا تردد کے بغیر بول جاتے ہیں، اُنھیں محض
موزوں نہ کر دیا جائے بلکہ جذبات کے رس سے

بوجھل کر کے انھیں شعر کی شکل میں پیش کیا جائے ۔ یہ
خصوصیت شاید دنیا کی بہت کم زبانوں میں ملے گی۔
اُردو شاعری کا ایک بہت بڑا حصہ ہماری آئے دن
کی بولی سے گوشت و ناخن کا تعلق رکھتا ہے اور
زبانوں میں عموماً گھریلو آواز کی شاعری بہت کم ہوسکی
ہے۔ٹکسالی بولی ہمیں اُردو شاعری میں رہ رہ کر سُنائی
دے جاتی ہے۔جس سہولت سے دل کی دھڑکنیں
گھریلو بولی میں سُنائی دے جاتی ہیں، اُس سہولت سے
عالمانہ یا انشاپردازانہ زبان میں سُنائی نہیں دیسکتیں۔

سماج کا ہر فرد نرم رسیلی اور سریلی زبان کے سانچے میں جب
اپنی ہی بولی کو ڈھلتے ہوئے دیکھتا ہے تو اُسے ناقابلِ
اظہار تشفی ملتی ہے اور اُس پر ایک وجد کا عالم طاری
ہو جاتا ہے۔ مغرب کی شاعری کی زبان زیادہ تر دماغ
کی زبان ہوتی ہے اور بہت کم دل کی۔ یہی وجہ ہے
کہ دو سو برس سے لکھو کھا آدمی مشاعروں میں گھنٹوں
اشعار سنتے ہیں اور بہت سے اشعار ایک ہی بار
سنکر زندگی بھر یاد رہ جاتے ہیں۔
اقبال نے ایک بار کہا تھا ع

جو قومیں کچھ کام کر رہی ہیں اُنھیں مذاق سخن نہیں ہے۔
لیکن ہمیں یہ نہیں بھولنا چاہئے کہ "مذاق سخن" سے
محروم و معرا ہو کر کوئی قوم اگر سرگرم عمل رہی بھی تو اُس
کی زندگی بہت قابل رشک نہ ہوگی اور اُسکی تہذیب
اقبال ہی کے الفاظ میں اپنے ہاتوں سے آپ
خودکشی کرے گی۔ اس لئے کسی قوم کو نہ عمل کا چراغ
بجھنے دینا چاہئے نہ شاعری کا چراغ۔ زندگی میں عمل اور
شاعری دونوں کے لئے کافی وسعت ہے۔ میں تو سمجھتا
ہوں کہ وطن کے ہر بچے کو چھوٹی ہی عمر سے اس کا

موقع ملنا چاہئے کہ وہ اپنی عمر کے مطابق مناسب شاعری
سے آئے دن متاثر ہوتا رہے تاکہ اسکی زندگی جیسے جیسے
بوڑھی ہوتی جائے وہ اس تازگی اور طراوت سے اس
نرمی اور لوچ سے محروم نہ ہو جو شاعری زندگی کو عطا
کرتی ہے۔ شاعری انسانی کلچر کی سانس ہے۔ باوجود
عمل کی سرگرمی کے، سماج شاعری کے اثرات سے
اپنے آپ کو محروم کرکے قالب بے جان ہو جائے گا۔
یوں تو شاعری دنیا کے بہترین دماغوں کی غذا
رہی ہے لیکن شعر و نغمہ سے سو فیصدی آدمیوں کو

کچھ نہ کچھ " بہ قدرِ ظرف " فیض پہنچتے رہنا چاہئے۔
تن آور درخت ہو، سبزۂ پائمال ہو، یا رگ ناتواں ہو پانی
نہ برسنے سے سب مرجھا جاتے ہیں یہ اور بات ہے کہ اسی
پانی کی زیادتی سے بھی سب مرجھا کر رہ جائیں۔ مجھے
بہت سے ایسے نواجوں سے ملنے کا اتفاق ہوا جو کم
عمری ہی سے شعر و شاعری کے دلدادہ رہے ہیں مگر
بسا اوقات غلط طور پر دلدادہ رہے ہیں۔ اُن کا
" مذاقِ سخن " تازگی اور شادابی کے بدلے ایک
گِلگلے پن کا ثبوت دیتا رہا۔ عموماً ایسے نوجوانوں کے

شعور میں کس بل اور سنجیدگی کی سرے سے کمی رہی ہے
لیکن اگر کوئی نوجوان انسانی زندگی اور انسانی کلچر
کے اہم پہلوؤں سے دلچسپی رکھتا ہو، اسکول میں پڑھائے
جانے والے علوم میں "جاندار" دلچسپی لیتا ہوں اور زندگی
کی ذمہ داریوں اور صلاحیتوں سے اُس کی شخصیت
خالی نہ ہو، تو ایسے شخص کو فکرِ سخن سے میں اسی حالت
میں روکتا ہوں جب اُس میں واقعی شاعرانہ صلاحیت،
صحتِ مذاق اور شعرگوئی میں ترقی کرنے کے امکانات
نہ ہوں۔ ایسے نوجوانوں کو میں وہ نصیحت تو نہیں دیتا

جو کہا جاتا ہے میر تقی میر نے نواب رنگیں کو دی تھی کہ

"صاحبزادے سواری، تیر اندازی، ورزش، بنوٹ

اور رئیسوں کے ایسے ہی اور مشاغل سے دلچسپی لیجئے

اور شاعری پر کرم فرمائیے بلکہ یہ کہتا ہوں کہ خود شاعری

کرنے کے بدلے دوسروں کی بہترین شاعری سے

مُتکیف اور متاثر ہونا سیکھو بجائے مشق سخن کے

مطالعۂ سخن کرو۔ اور اگر اظہارِ خیال کو جی چاہے تو

نثر کی مشق کرو۔ ہاں اگر کسی کی ابتدائی مشق ہونہار

نظر آئے تو میں اُسے شعر گوئی سے نہیں روکتا۔

گذشتہ جاڑوں میں ایک دن کرسچین کالج،
الہ آباد کی "بزم اُردو" کے ایک مشاعرے میں مجھے
بُلایا گیا۔ میں دیر تک کبھی کسی مشاعرے میں بیٹھ
نہیں سکتا۔ مجھے بےچین دیکھکر اراکین مشاعرہ نے
ایک دوسرے کمرے میں بُلا لیا جہاں سکون و اطمینان
کی فضا تھی۔ چائے کا دور چلتا رہا اور بیچ بیچ میں کچھ
اشعار کی رنگیں پھہار بھی ہوتی رہی۔

چار چھ آدمیوں کی اس مختصر صحبت میں بہت
سنجیدہ توجہ سے میری باتیں سننے والوں اور اپنی

باتیں کہنے والوں میں تیغ صاحب بھی شامل تھے۔
میں نے ان سے ایک ذہنی قربت محسوس کی اور یہ
معلوم کر کے ان کے متعلق اور بھی معلوم کرنا چاہا کہ
شاعر انقلاب حضرت جوش ملیح آبادی سے خصوصیت
کے ساتھ ان کی خط وکتابت ہوتی رہی ہے۔ اس
صحبت میں کچھ لوگ ایسے بھی آ گئے تھے جو ترقی پسند ادب
کے خلاف اپنی احمقانہ باتوں سے کراہیت پیدا کر
رہے تھے جس پر میرا اور جناب تیغ کا ردِ عمل بالکل
ہونا رہا۔ چلتے ہوئے تیغ صاحب نے مجھ سے میرے

گھر پر آکر ملنے کا وعدہ کر لیا۔ آئے اور دو تین مہینوں کے
اندر اکثر آئے لیکن ایک بار بھی مجھے اس کی ہوا نہ
ملی کہ وہ خود بھی ایک بلند پایہ اور مسحور کُن شاعر ہیں
یہ بڑے ظرف کی بات ہے۔ عموماً جو نوجوان کچھ مصرعے
موزوں کر لیتے ہیں اُنھیں سُنائے بغیر نہیں رہتے
شروع کی ملاقاتوں میں حضرت تیغ مجھ سے بھی شعر
سُنانے پر اصرار نہیں کرتے تھے اور ہم لوگ دیر
تک بیسیوں ادبی اور علمی مسائل پر گفتگو کرتے تھے۔
ایک دن باتوں ہی باتوں میں شعراء کی اصلاحوں

کا ذکر چھڑ گیا۔ حضرت جوش نے اُن کے ایک مصرعے میں ذرا سی ترمیم کر دی تھی۔ تب مجھے معلوم ہوا کہ جناب تیغ بھی فکرِ سخن کرتے ہیں ان کے کلام سے رفتہ رفتہ میری دلچسپی بڑھتی گئی۔

حضرت تیغ کی عمر نے مشکل سے ابھی سترہ بہاریں دیکھی ہیں۔ اس لئے شروع میں مجھے قدرے تعجب ہوا (بلکہ تشویش بھی)۔ مجھے ڈر تھا کہ ان کی کمسنی شاید اُنھیں بڑا شاعر ہونے سے روکے لیکن جب میں نے ان کے کلام کے کچھ مسودے دیکھے تو میری

تشویش دور ہوگئی اور میرا تعجب ایک خوشگوار احساس
سے تبدیل ہوگیا۔

اِس مجموعے میں حضرت تیغ کی شاعری کی پو یہ
پھٹتی ہوئی نظر آتی ہیں اب سے ڈھائی برس پہلے
ان قطعات کی داغ بیل ان کے ذہن میں پڑی
اور تین مہینوں کے اندر اندر ان قطعات کی تعداد
سو تک پہنچ گئی جب انکی عمر مشکل سے پندرہ برس کی تھی۔
میں صرف اتنا کہوں گا کہ اِس سن وسال میں شائد
ہی کسی شاعر کا کلام سلجھا ہوا اور سانچے میں ڈھلا ہو!

دستیاب ہو سکے گا، ان قطعات کی زبان اتنی فطری
اور بے تکلف ہے کہ ان کا نثر کرنا ممکن نہیں۔ یہ مجموعہ
ایک نرم و نازک اور شاداب شاخ ہے جس کے
ہر پیچ و خم میں سفید، گلابی اور کئی ہلکے رنگ کی (پھیکے
رنگ کی نہیں) کلیاں آہستہ آہستہ کھلتی جا رہی ہیں۔
ان قطعات کو دیکھ کر مجھے اپنا یہ مصرع یاد آجاتا ہے۔

ع بہار غنچہ بہ غنچہ چمن میں آتی ہے

جو میرا کہا ہے کو ہے انگریزی شاعر Swinburne
کے اس مصرع کا ترجمہ ہے۔

and Blossom by Blossom The

Spring Arrives

"زنجیریں" ایک بل کھاتی ہوئی حسین قوس قزح
ہے جس کی پھواریں ان قطعات میں جھلملا رہی ہیں
بہت سے قطعات کی خاموش اشاریت ان کے خیال
وجذبات کے خطوط کی خفیف تھرتھراہٹ اور مدھم
جھنکار دیکھنے اور سننے کی چیزیں ہیں۔ حضرت جوش
ملیح آبادی کسی سترہ سال کے لڑکے کا کلام دیکھ کر
یہ نہیں لکھ سکتے تھے کہ "آپ کے کلام سے آپ کی

خوش گوئی اور خوش مذاقی کا میرے دل پر بہت اچھا اثر پڑا۔ ان سے پتہ چلتا ہے کہ آپ مستقبل کے ایک بڑے شاعر ہیں" بشرطیکہ کلام میں ساحرانہ کشش نہ ہو، باغی اور سرکش روح کی پکار نہ ہو، اور شاعرانہ عظمت کے نشانات نہ پائے جائیں۔ اور نہ مجھے ہی اتنی فرصت ہے کہ بے جان اور بے رنگ تک بندی پر تمہید لکھنے بیٹھوں۔

مجھے حضرت تیغ اس انداز سے سازِ شاعری کو چھیڑتے ہوئے نظر آئے کہ آغازی نغمات کی دلکشی کے

ساتھ ساتھ یہ احساس ہونے لگا کہ ان نغموں کی
تہ میں ابھی ایسے نغمات چھپے ہوئے ہیں جو ایک نہ ایک
دن اپنے پورے شباب پر آ کر اُردو شاعری اور ہمارے
وِجدان کو بہت کچھ دے جائیں گے۔

کون ہے جو ان قطعات کی دلکشی محسوس نہیں کریگا۔

گاؤں کے خوش نُما دھندلکوں میں
ہو گیا گُم ہر اک حسیں سایا
کوئی آواز دے رہا ہے مجھے
ہم نے سایوں میں تم کو دیکھ لیا

قافیے کے کڑے مطالبوں سے قطع نظر کر کے ہم یہ کہنے پر مجبور ہو جاتے ہیں کہ ان چار مصرعوں کے اختصار میں شاعر نے ایک سماں باندھ دیا ہے۔

اور —

یاد جب آتی ہیں کالج کی سہانی راتیں
اور نم کرتی ہیں پھر وہ مری چشمِ نم کو
کوئی سر رکھ کے مرے دوش پہ یہ کہتا ہے
کس لئے روٹھ گئے کچھ تو بتا دو ہم کو

یہ قطعہ سنئے ؎

آج وقتِ وداع اے ہمدم
میری آنکھوں میں اشک بھر آئے
ہٹ گیا کوئی یوں پسِ چلمن
جیسے بادل میں چاند چھپ جائے

کس سیدھے سیدھے انداز میں آرٹ نغمگی اور جمالیاتی احساس کو اشعار میں سمو دیا ہے۔
اور سنئے ؎

برف کے نم اُداس سینے پر
رقص کرتی ہے شعلگی میری

موت کا راگ چھیڑ کر اے تیغؔ
مسکراتی ہے زندگی میری!

کتنا حسین تضاد ہے ـــــ اور کیسی عجیب بات!!

جس طرح تصویر کے کاغذ پہ اک مبہم شعاع
ڈال دیتی ہے ہمیشہ کے لئے نقش سیاہ
یونہی اک حساس شاعر کیلئے اے ہمنشیں
مشتبہ سی ایک کمزوری ہے وجہ اشتباہ

خود حساس ہونا اور دوسروں کو حساس بنانا شاعری کی وہ خدمت ہے جو قدر اوّل کی چیز ہے

تھپکیاں دیتی ہوئی، ہنستی ہوئی، گاتی ہوئی
ہر غمِ دوراں کو میٹھی نیند میں لاتی ہوئی
دفعتاً گذریں کسی کی انگلیاں اے ہمنشیں
میرے اِن اُلجھے ہوئے بالوں کو سلجھاتی ہوئی

کتنی لطیف مصوّری ہے ۔ کتنی پاکیزہ!

گاؤں کو چھوڑے ہوئے ہوگیا عرصہ لیکن
روح اب بھی کسی پنگھٹ پہ مچل جاتی ہے
یاد آتے ہیں مناظر مجھے یوں رہ رہ کر
جیسے تھم تھم کے کہیں برق چمک جاتی ہے

کتنی معصوم ہیں یہ گاؤں کی دوشیزائیں
جیسے تاروں کی حسیں چھاؤں میں آئے کاش کی
تک رہا ہوں میں بڑی دیر سے پنگھٹ کی طرف
اور سمجھتا ہی نہیں کوئی کہ مطلب کیا ہے
اس نہ سمجھنے ہی میں تو سب کچھ ہے!

مجھے اسکا یقین ہے کہ حضرت تیغ کی شاعری کا
مستقبل روحانی محبت کے دائرے تک محدود نہیں ہوگا
اور وہ جمالیاتی شاعری (جو اپنی جگہ بڑی چیز ہے)
تک نغمہ سرائی محدود نہ رکھیں گے لیکن افادی شاعری

کے ساتھ ساتھ پاکیزہ عشقیہ جذبات کی شاعری بھی پھلے پھولے گی ۔ ان قطعات کے شاعر کی زندگی نے ابھی اتنا زمانہ بھی نہیں دیکھا ہے جتنے ماہ و سال میرے ہم عصر مشاہیر کے مشق سخن دیکھ چکے ہیں لیکن اُن کے لہجے آواز اور جذبات میں اتنی پختگی ہے جو بہت لوگوں کو نصیب نہیں ۔ اور یہی وجہ ہے کہ ہم ان قطعات کا خیر مقدم کرنے پر مجبور ہیں ۔

حضرت تیغ کی آواز ان کی اپنی آواز ہے ۔
گراموفون کی نہیں ۔ اس آواز میں معصومی، خلوص، شرافت

اور انسانی کسک کے عناصر صاف نکھرتے ہوئے نظر
آتے ہیں۔ جیسے جیسے جناب تیغ کی زندگی کا نشو و نما ہوتا
جائے گا، ان کی آواز میں اور بہتیں پڑتی جائیں گی اور
اس کا وزن بڑھتا جائے گا۔ ان کی آواز نئی بلندیوں
اور نئی گہرائیوں کی منزلیں طے کرتی جائے گی۔ جہاں
تک شعور کی سنجیدگی کا سوال ہے یہ چیز حضرت تیغ کے
حصّے میں آچکی ہے۔ اگر جناب تیغ کی داخلی زندگی میں
بحرانی دور آئے خلاقانہ انتشار اور زلزلوں سے وہ
دوچار ہوئے اور اگر انھوں نے اپنی حالتوں پر قابو

حاصل کر لیا تو یہ یقینی امر ہے کہ اُردو شاعری کو بہت کچھ دے جائیں گے کیونکہ زلزلہ نما برہمی اور انتشار کے بطن سے ہی ایک رقصاں سیّارہ جنم لیتا ہے۔

الہ آباد

۱۳؍ جولائی ۴۷ء

انتساب

"س" کے نام

جس کی ہر ہر ادا تھی کالج میں
زندگانی کے خواب کی تعبیر
جس کے چہرے پہ گنگناتی تھی
صبح کی نقرئی حسیں تنویر

جس کے تیور میں بے رخی کی ادا
جس کی آنکھوں میں التفات کے تیر
شعلگی جیسے جوشؔ کے اشعار
سادگی جس طرح تغزلِ میرؔ
گیسوؤں میں ملاحتِ بنگال
عارضوں میں لطافتِ کشمیر
چال، بے باک، جس سے سکتے میں
قلبِ گیتی کی حسرتِ تقریر
نقش ہر ہر شکن میں ساری کے

بھکی بھکی بہار کی تحریر
جس سے بنیادِ عافیت لے کر
زیست کرتی ہے عشق کی تعمیر
ابروؤں کے ہر اک اشارے میں
نغمۂ وصل ـــــ نالۂ شبگیر
وہ نگاہوں کے بل پہ رہ رہ کر
دونوں عالم کا جذبۂ تسخیر
شعر و نغمہ کا زیر و بم کہ بدن
جلد کی نرم سادگی کہ حریر

خامشی میں سرود کا عالم
وقتِ گفتار سحر کا تاثیر
جس کا اقرار مرہم ناسور
جس کا انکار جوہر شمشیر
جس کے الفاظ میں ترنم ریز
آبشاروں کے بے شمار نفیر
بات کرنے میں لہجۂ شیریں
شوخ، بے باک موجۂ تنویر
جیسے مندر میں جھٹپٹے کے وقت

جلتے دیپک کی جھلملاتی لکیر
ہیچ ہیں اُس کے آگے زنجیریں
تیری زلفوں میں جس کا دل ہو اسیر

آتشکدہ
۸، رکولہن ٹولہ اسٹریٹ
الہ آباد

سنہ ۱۹۴۵ء

بُعدالمشرقین

حسرتوں کے چراغ بجھتے ہیں
غم کی مشعل جلائی جاتی ہے
عشق ہے اور شب کا سنّاٹا
حُسن کو نیند آئی جاتی ہے

افتخار

کہہ گیا کیا پتے کی بات کسان

اِس کو مستِ الست کیا سمجھیں

رُوحِ آدم بھٹکتی پھرتی ہے

میرے گیہوں کے زرد کھیتوں میں"

دعوتِ جمال

کتنی رنگین رُت یہ آئی ہے
کِھل اُٹھے پھول ہنس پڑے گلشن
گاؤں سے خط لکھا ہے انجم نے
تم بھی آؤ کہ آ گئے ساون

بے اختیاری

قلبِ مضطر کو تھام لیتا ہوں
جب وہ لمحات یاد آتے ہیں
اِس قدر ضبط پر بھی اے ہمدم
اشک آنکھوں میں آ ہی جاتے ہیں

احتیاط

رات پیغامِ مرگ لائی ہے
اور میں ہوں کہ اب بھی جیتا ہوں
پھونک ڈالے نہ سوزِ عشق کہیں
احتیاطاً شراب پیتا ہوں

بیزاری

وادیٔ غم پہ چھا گیا ہوں مَیں
بھید جینے کا پا گیا ہوں مَیں
چھین تو مجھ سے زندگی میری
زیست سے تنگ آ گیا ہوں مَیں

کچھ تو کرو

دل پہ میرے نہ رات دن منڈلاؤ
چھوڑ دو خانۂ عزا میرا
اور اگر تم کو یہ نہیں منظور
حسرتؔ تو گھونٹ دو گلا میرا

نشہ دولت

اک بلا ہے بلا یہ دولت مند
گاؤں بھر کے لئے ہے درد سری
ایک لڑکی کھڑی ہے اس کے حضور
قبضۂ جن میں جیسے کوئی پری

ہر بوالہوس نے

دیکھیے اِس کا اب ہو گیا انجام
گاؤں تو ہو گیا ہے وقفِ جنوں
ایک لڑکی سے ایک صیدِ ہوس
کہہ رہا ہے "میں تم پہ مرتا ہوں"

پیامِ خموش

صرف اک بار مُسکرانے پر
اپنی ہستی نثار کرتا ہوں
میرے اشکوں سے پوچھ لو انجم
میں تمھیں کتنا پیار کرتا ہوں

وداع

قصۂ غم سُنا رہا ہوں میں

بربطِ دل بجا رہا ہوں میں

چھوڑ کر گاؤں کی بہاروں کو

اب تو بل لو کہ جا رہا ہوں میں

رومان

چاندنی رات، ساحلِ گنگا
زندگی کیفِ بیکراں میں ہے گم
قلب مضطر میں آگ پنہاں ہے
گود میں میری سو رہو انجم

آؤ سو جائیں

کوہساروں پہ چھا گیا ہے سکوت
آبشاروں کی آنکھ میں ہے نمی
چاند بھی چھپ گیا ہے بادل میں
آؤ سو جائیں رات بھیگ چلی

مراجعت

نغمۂ زندگی سُناتا ہوں
شبنمستاں میں گنگناتا ہوں
میری انجم ذرا ٹھہر جاؤ
مَیں تمھاری ہی سمت آتا ہوں

تسکین

کوئی اپنا نہیں زمانے میں
کس سے یہ داستانِ شوق کہوں؟
اب تو ماضی کی یادگاروں کو
چومتا ہوں گلے لگاتا ہوں

خودکُشی

دیکھکر جنگلوں کی تنہائی
تیری اِن محفلوں کو چھوڑ دیا
مَیں نے اِن زمزموں سے اُکتا کر
زندگی کا رباب توڑ دیا

نہ جانے کیوں

قہقہے، جام، ساز، رقص، سرود
تیری محفل ہے واقعی افسوں
ایک لمحے کے واسطے، لیکن
جی میں آتا ہے بیٹھ کر رو لوں

دریوزۂ التفات

رات کے وقت روندتا کیوں ہے
میرے امن و سکون کا یہ چمن؟
رحم کر، مجھ پہ رحم کر للّٰلہ
لال اِملی[1] کے بے حیا انجن

1-Lal Imli Mills Cawnpore

کون؟

گاؤں کے خوشنما دھندلکوں میں
ہو گیا گم ہر اک حسیں سایا
کوئی آواز دے رہا ہے مجھے
ہم نے سایوں میں تم کو دیکھ لیا

وقتِ وداع

آج وقت وداع اے ہمدم
میری آنکھوں میں اشک بھر آئے
ہٹ گیا کوئی یوں پسِ چلمن
جیسے بادل میں چاند چھپ جائے

گریۂ مسرّت

میری آمد پہ جھوم جھوم اُٹھے
گاؤں کے مست بھاگتے سائے
لیکن انجم تمہاری آنکھوں میں
کس لئے آج اشک بھر آئے

لوگ

میری فطرت عجیب ہے ہم راز
مَیں تو "خوشیوں کے داغ" دھوتا ہوں
لوگ ہنستے ہیں میرے رونے پر
اور مَیں اس "ہنسی" پہ روتا ہوں

جبرِ مشیت

دیو بھیجے ہیں جبرِ فطرت نے
میری راہوں کو روکنے کے لئے
آئے ہیں غیب سے بھیانک بھوت
میرے باغوں کو نوچنے کے لئے

ایک سفر

لکھنؤ جا رہا ہوں دہلی سے
پھانکتا جا رہا ہے آگ انجن
ریل گاڑی کی اِن صداؤں میں
کھو گئی میرے قلب کی دھڑکن

بے کیفیاں

کتنا بے کیف ہو گیا ماحول
برق کی نذر آشیانہ ہے
آج مُطرب کا نغمۂ ہستی
موت کے ساز کا ترانہ ہے

جرأت رندانہ

زلفِ ہستی سنوارنے والے
حُسن کا رُخ نکھارنے والے
چھین لے کام دیو[1] سے ترکش
آہ کے تیر مارنے والے

---

[1] ہندو دیو مالا میں عشق کا دیوتا۔

نزولِ رحمت

پریم کے گیت گنگناتی ہے
مجھ کو پیہم لہو رُلاتی ہے
رحمتیں مضطرب ہیں بہرِ نزول
آج پھر تیری یاد آتی ہے

مجموعۂ اضداد سے

جنّتوں کی نہ مجھ کو دعوت دے

آسمانوں سے پھینکنے والے

کیوں ڈراتا ہے ہکرِ دنیا سے

مجھ کو دنیا میں بھیجنے والے

انتشار

عالمِ انتشار میں تیری
یاد آتی ہے پر نہیں آتی
افقِ ذہن کے دھندلکوں پر
کوئی صورت نظر نہیں آتی

معصوم مجرم

چھلک اُٹھتی ہے میرے حقّے کی
اب بھی جب بوتلیں اُبلتی ہیں
معصیت خیز میکدوں میں ابھی
میری معصومیاں مچلتی ہیں

سُونی جنّت

سُونی سُونی بہشت میں یارب
سرد آہیں بھرا کروں گا میں
جس میں ہوں گے نہ جوؔش اور خیاؔم
ایسی جنت کو کیا کروں گا میں

تنویر

دہر کی ظلمتِ مکمل میں
اس طرح جگمگا رہا ہے ضمیر
جیسے حوّا کا اوّلیں پَرتو
جیسے آدم کے خواب کی تعبیر

میری مینخواری

مسکراہٹ ہے یا چھلکتے ہیں جام
کس قدر شوخ مے پرستی ہے
آج کل میرے واسطے اے تیغؔ
لبِ گل رنگ سے برستی ہے

آوارہ

ہوگئی کانونٹ میں چھُٹی
لڑکیوں کے گروہ آتے ہیں
میرے وحشت بھرے تحیّر کی
راہ والے ہنسی اُڑاتے ہیں

عبادتِ زندگی

برف کے نم اُداس سینے پر
رقص کرتی ہے شعلگی میری
موت کا راگ چھیڑ کر اے تیغ
مُسکراتی ہے زندگی میری

ایک خط

یوں ہی ناراض ہو گئے مجھ سے
من کے مالک مری بھی بات سنو
میں تمھیں ایک پل بھی گر بھولوں
تم مجھے عمر بھر نہ یاد کرو

تلقینِ صبر

چین سے اب سفر پہ جانے دو
مجھ کو اِس درجہ مُضمحل نہ بناؤ
تم تبسّم کی شاہزادی ہو
کس لئے رو رہی ہو چپ ہو جاؤ

اتفاقات ہیں زمانے کے

گاؤں کے ایک اُداس رستے پر
میں پریشان حال جاتا ہوں
کل جہاں مسکرانے آیا تھا
آج آنسو وہیں بہاتا ہوں

غلامی میں آزادی

رحم آتا ہے حال پر اُن کے
تیلیوں سے جو سر لڑاتے ہیں
روشناسِ بہار ہیں ہم لوگ
اپنے نالوں سے گل کھلاتے ہیں!

موجود مرحوم

نہ تو کہتا ہوں کچھ نہ سُنتا ہوں
ہات پر ہات رکھ کے بیٹھا ہوں
ایک طائر کے چیخ اُٹھنے پر
یاد آتا ہے میں بھی زندہ ہوں

کیوں

نہ تبسّم، نہ ولولے، نہ اُمنگ
حسرتیں آج سوگئیں شائد
چپ ہو کیوں شکوۂ محبّت پر
مجھ سے ناراض ہوگئیں شائد

گناہِ بے لذّت

پیڑ کی اک بلند ٹہنی پر
ایک کوّا اُداس بیٹھا ہے
کس مصیبت سے اِس کو لایا تھا
اور یہ آم کتنا کھٹّا ہے

میں بھی ہوں

میں بھی ہوں زیست کی بہاروں میں
فلکِ زندگی کے تاروں میں
بھُول جانا نہ وقتِ مے نوشی
تیغؔ بھی ہے شراب خواروں میں

کافرگر

سازِ ناحق سُنا دیا تو نے
من چلے مَن چلا دیا تو نے
خلد و ایماں کے راگ گا گاکر
مجھ کو کافر بنا دیا تو نے

قابلِ رحم

اشک سے اپنے مُنہ کو دھوتے ہیں
آنسوؤں کی لڑی پروتے ہیں
آسمان و زمین و شمس و قمر
عشق کی بے کسی پہ روتے ہیں

یہ کیا؟

کل فرشتوں میں آ رہے تھے نظر
آج نکلے شراب خانے سے
حضرتِ شیخ آپ ہی کہئے
آپ کا اعتبار کون کرے

دوریٔ قُرب

ہو گئی ختم ایک مرکز پر
سرحدِ عرش و فرش و ظلمت و نور
تھک گیا، پا سکا نہ خود کو مگر
اتنا نزدیک اور اتنا دور!!

خوابِ مجسم

ایک پیکر ہیں عافیت کی بہار
ایک نقطے میں زندگی کا کمال
درحقیقت یہ اُن کا جسم نہیں
جم گیا ہے خدا کا خوابِ جمال

عیاری

حُسن خود بیں کی عشوہ کاری دیکھ
اپنے دیدار کے عوض اُس نے
ساز و بربط، صراحی و ساغر
دے کے بہلا دیا کھلونوں سے

اقراری مجرم

میری معصوم آرزوؤں کو
ذبح کرنے میں کیجئے نہ دریغ
آپ کا اس میں کچھ قصور نہیں
خود ہی چاہتا ہے آپ کا تیغ

عظمتِ اشک

جس قدر آب دار موتی تھے
رہ گئے مُنہ چھپا کے پردوں میں
حسن نے سب گہُر مسل ڈالے
ایک آنسو تھا میری آنکھوں میں

شعلہ و شبنم

کس نے ہنگامِ عیش و عشرت آج
لے دیا ان کا نام، اے ہمدم
میرا کمھلا کے رہ گیا چہرہ
جیسے اُڑ جائے دھوپ سے شبنم

سحر ہونے تک

کس کو جا کر تمہارا درد سنائیں
کس سے آخر یہ داستان کہیں
تیغ رو پیٹ کر گذار بھی دو
اور کچھ روز زندگی کے ہیں

اتنی جلدی!

الاماں، آخری وصال کی رات
دے گئی داغ غم کے ماروں کو
اپنی پلکیں نہیں جھکیں اب تک
نیند آنے لگی ستاروں کو

شاعر اور دنیا

نہ ترانے نہ جام و ساز و شراب
دل بھی پُر آب آنکھ بھی پُر آب
تیغؔ یوں دہر میں ہوں میں جیسے
گرم شیشے کے طشت پر سیماب

مجسم نغمگی

سانس لیتی ہے جب وہ غنچہ نفس
جاگ پڑتی ہیں ساز کی تانیں
یوں مچلتا ہے نُقرئی سینہ
جیسے سنگیت کی حسیں لہریں!

جراتِ اولیں

جلوہ فرما ہیں ہمتیں کتنی
گنگناتی ہیں حسرتیں کتنی
بوسۂ اولیں میں اے ہمدم
رقص کرتی ہیں جرأتیں کتنی

کالج نوٹ بک میں

ڈبڈبائی ہوئی آنکھوں سے کسی کی تصویر
آج اُلجھے ہوئے اوراق میں میں نے دیکھی
جھک گئے میرے لرزتے ہوئے تپتے ہوئے ہونٹ
اور تصویر کے چہرے پہ حیا دوڑ گئی

ایک رمّال دوست سے

اسطرح غور سے مت دیکھ مرا ہات اے دوست
ان لکیروں میں تو حسرت کے سوا کچھ بھی نہیں
صرف میری ہی نہیں سارے غلاموں کی یہاں
زندگی تلخ حقیقت کے سوا کچھ بھی نہیں

شاعر کا دل

جس طرح تصویر کے کاغذ پہ اک مبہم شعاع
ڈال دیتی ہے ہمیشہ کے لئے داغِ سیاہ
یونہی اک حساس شاعر کے لئے اے ہمنشیں
مشتبہ سی ایک کمزوری ہے وجہ انتباہ

انفرادیت

آ رہا ہے سامنے سے لڑکیوں کا اک گروہ
مُسکراتا، گنگناتا، ناچتا، گاتا ہوا
اور وہ میرے تصوّر کے افق پر چھا گیا
تیرا جلوہ مجھ کو ہر صورت میں دکھلاتا ہوا

کون؟

تھپکیاں دیتی ہوئی ہنستی ہوئی گاتی ہوئی

ہر غمِ دوراں کو میٹھی نیند میں لاتی ہوئی

دفعتہً گذریں یہ کس کی اُنگلیاں اے ہمنشیں

میرے اِن اُلجھے ہوئے بالوں کو سُلجھاتی ہوئی

اب تک

گاؤں کو چھوڑے ہوئے ہو گیا عرصہ لیکن
روح اب بھی کسی پنگھٹ پہ مچل جاتی ہے
یاد آتے ہیں مناظر مجھے یوں رہ رہ کر
جیسے تھم تھم کے کہیں برق چمک جاتی ہے

نفرت یا محبت

میری تصویر کو دامن میں چھپا لیتی ہو

یاد میں میری کبھی اشک بہا دیتی ہو

مجھ سے نفرت ہے مگر یہ تو بتاؤ انجم

نام سن کر مرا کیوں آنکھ جھکا لیتی ہو

تخلیق

روح جب صدمہ و آلام سے گھبراتی ہے
زندگی بارِ غمِ دوش ہوئی جاتی ہے
دفعتہً ذہن پہ اک شعر اُبھر آتا ہے
جیسے ظلمات میں بجلی کوئی لہراتی ہے

شکوۂ خلوص

مدتوں بعد ہوا میرا گذر اے ہمدم
اُس جگہ جس کو ملک مہر کہیں ماہ کہیں
مجھ سے روٹھی ہوئی آواز میں انجم نے کہا
اب بھی کیوں آئے یہاں کس نے بلایا تھا تمہیں

پرہیز

رہروانِ سست کو چھانٹا کہیں
منقسم آلام کو بانٹا کہیں
دیکھ کر ہر اک قدم رکھتا ہے حسن
گڑ نہ جائے عشق کا کانٹا کہیں

غماز

اک تلاطم ہے دلِ ناشاد میں
محو ہے میری زبان فریاد میں
سلوٹیں بستر کی کھاتی ہیں قسم
رات بھر تڑپا ہوں تیری یاد میں

التجا

میری افسردگیٔ زیست پہ کچھ رحم تو کھا
میری وارفتگیٔ شوقِ مُسلّم کو نہ دیکھ
تجھ کو کیا اس سے غرض اپنی مسیحائی کر
ہچکیاں لیتے ہوئے نزع کے عالم کو نہ دیکھ

ناراضگی بے سبب

یاد جب آتی ہیں کالج کی سہانی راتیں

اور نم کرتی ہیں پھر وہ مری چشم نم کو

کوئی سر رکھ کے مرے دوش پہ یہ کہتا ہے

کس لئے روٹھ گئے کچھ تو بتا دو ہم کو

سادگی

کتنی معصوم ہیں یہ گاؤں کی دوشیزائیں
جیسے تاروں کی حسیں چھاؤں میں آکاش کی لے
تک رہا ہوں میں بڑی دیر سے پنگھٹ کی طرف
اور سمجھتا نہیں کوئی مرا مطلب کیا ہے

حسرتوں کی موت

سامنے سے چند دوشیزائیں با انداز و ناز
آ رہی ہیں زندگی کے ساز پر گاتی ہوئی
مجھ کو دیکھا مسکرائیں ایک جانب مڑ گئیں
بجلیاں سی رہ گئیں سینے میں لہراتی ہوئی

سکوت

خوش نوا طائر کسی جنگل کی ندی کے قریب
گا رہا تھا آج میٹھے بول فرطِ جوش میں
دفعتہً آواز تھمنے سے خموشی چھا گئی
جیسے انجم تھک کے سو جائے مری آغوش میں

زنجیریں

سرود و نغمہ و مے ساز و جام رہنے دے
کہ ہر نشاط پہ غم کی نگاہ ہے ساقی
یہ بزم وہ ہے جہاں بے صدا ہے سازِ حیات
یہاں تو آہ بھی کرنا گناہ ہے، ساقی

مان جاؤ

مانا کہ نہیں لکھا تھا خط عرصے سے
انساں ہی سے آخر کو خطا ہوتی ہے
کب تک اکب تک خفا رہو گی مجھ سے
غصّے کی بھی کوئی انتہا ہوتی ہے

عصرِ نو

تمام شعلہ و شبنم ہے گلستاں ہمدم
بغیر سوز چمن کا نکھار کیا ہوگا
یہ کاروانِ بہار اور یہ بُجھا ہوا دل
چراغِ مردہ سرِ رہ گذار کیا ہوگا؟

یادِ ایّام

انساں کی حباب کا پہلو لئے ہوئے
موجوں کے کشمکش میں ہے ہستی حیات کی
چاہا کہ ضبط ہو مگر آنسو ٹپک پڑے
پیری میں یاد آئیں جو باتیں شباب کی

آرزو

آئے گی نہ کوئی رات ایسی

اے کاش کوئی اُنھیں پکارے

موجوں میں مچل رہا ہے مہتاب

گردوں پہ چمک رہے ہیں تارے

ادائے مخصوص

میرے کہنے پہ کہ ہم تم کو نہیں چھوڑینگے
اسی گلشن میں محبّت کے ثمر توڑیں گے

اُف کس انداز سے انجم نے کہا تھا ہمراز
جائیے آپ سے اب ہم نہ کبھی بولیں گے

٭

خاموش اظہار

جو چھیڑا مرے دل نے الفت کا نغمہ
بہاریں مری نظم پر مُسکرا دیں
کسی ماہ پیکر نے چلمن کے پیچھے
مرا نام سن کر نگاہیں جھکا دیں

رقاصہ

اس حسیں پیکر میں جو ہے رونقِ بزمِ سرود
میری آنکھیں دیکھتی ہیں زیست کی گہرائیاں
جیسے پاگل ہو گئی ہو لالہ زاروں میں بہار
ہائے اُس مستِ شباب و ناز کی انگڑائیاں

جُرعے

دامن چاک کو آہوں سے سیئے لیتے ہیں
زندگی ہیچ سہی پھر بھی جئے لیتے ہیں
اور اک جام مئے تلخ بہ صد ناکامی
ان کی آنکھوں کے تصور میں پئے لیتے ہیں

۱۶

دیکھ کر چاند کے نزدیک کسی تارے کو
کوئی شے سینۂ بے تاب کو مَل جاتی ہے
ماہیا سُن کے گھنی رات کی خاموشی میں
دلِ مجروح سے اک چیخ نکل جاتی ہے

تنہائی میں

ہم نشیں شوق کی "بدبخت" فراوانی میں
دلِ محزوں ہے کہ ڈوبا ہی چلا جاتا ہے
یہ ہوائیں یہ گھٹائیں یہ غمِ تنہائی
بھولی بسری ہوئی راتوں کا خیال آتا ہے

آدابِ محبّت

نظروں میں فقط حُسن ہے اور واحد حُسن
سب ہیچ ہیں ساغر و سُبو بادہ و خُم
سیکھے کوئی آدابِ محبّت مجھ سے
خنجر ہے گلے پہ اور لب پر "انجم"

حسرت

برباد نہ کر جوہر بیم و اُمید
سینے کے خزینے سے نکالا ہے اسے
ظالم! نہ مسل یہ غنچۂ حسرتِ دل
مَیں نے خونِ جگر سے پالا ہے اسے

غلام کمترین

کرتا ہے مجھ ایسے شخص پر فخر خدا
باندھے ہوئے ہاتوں کو کھڑی ہے دنیا
مجرے کے لئے آئے ہیں عرش و کرسی
ادنیٰ سا میں اک غلام ہوں انجم کا

مرگ نو

للہ بتا دے مجھے اے روحِ نیاز
پردوں میں نہاں ہے کون سا مخفی راز
میں اُسکو بلاتا ہوں مگر وہ ہے خموش
کیا موت کو موت آگئی ہے ہم راز؟

لاثانی

پھر ربطِ زندگی پر اک راگ سُنا
پھر تیغِ حزیں کو شاد و مسرور بنا
کس طرح کٹیں عشق کی تنہا راتیں
اے وحدہٗ لاشریک لہٗ حسن بتا

فیضِ نگاہ

مطربِ برق نوا۔ ساقیٔ رنگیں ادا
ذرے ذرے میں اثر آج گلستاں کا ہے
در و دیوار میں شوخی کی ادا جاگ اُٹھی
دو شریر آنکھوں نے پردے سے مجھے جھانکا ہے

ایپی کیورین

مَیں عشق مکمل کا ہوں پیرو اے دوست
صیدِ ہوسِ اندک و بسیار نہیں
بس جامِ شراب اور ان کا دیدار
میں اور کسی شے کا طلب گار نہیں

شبابِ مُردہ دل

پھولوں میں بھی کانٹے ہی نظر آتے ہیں
ہے "آبِ حیات" صِرف "پانی" مجھ کو
اِس گلشنِ زندگی میں انجم کے بغیر
کاٹے کھاتی ہے نوجوانی مجھ کو

قنوطیت

ہنگامۂ دھر کی نہیں کچھ پرواہ!
تاریکیٔ عزلت میں پڑا رہتا ہے
لودیتے ہیں برف کے بھی تودے اے تیغؔ
لیکن کمبخت دل بجھا رہتا ہے

آخری آواز

وقتِ آخر لکھ رہا ہوں ایک شعر

کشمکش ہونے لگی الفاظ کی

دوست لیکن تو نہیں سمجھا کہ یہ

آخری ہچکی ہے میرے ساز کی